Tauseeq, Volume. 3, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI:https://doi.org/10.37605/tauseeq.v3i2.37

Received: 16-11-2022
Accepted: 06-12-2022
Published: 31-12-2022

اسد محمد خان کی کتاب "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" کا موضوعاتی اور اسلوبیاتی مطالعہ

(A Thematic & Stylistic Analysis of Asad Muhammad Khan's Book "Tukroon main kahi gaye kahani")

• شہاب الدین
• ڈاکٹر تقویم الحق
• ڈاکٹر محمد سلیمان

Abstract:
Asad Muhammad Khan is a famous Pakistani poet, songwriter, novelist and short story writer. He is alive (90 years of age). "Kharki bhar Aasman", "Burj e khamoshan", "Ghussay ki naye fasal", "Teesray peher ki kahaniyan", "Aik tukra dhoop ka" and "Nirbada and other stories" are his famous short story books. He received "Tamgha-e-Imtiaz" in 2009 and "Kamal-e-Fun Award" in 2019 for his contribution in the field of literature. Many of his stories are translated into English Language. "Tukroon main kahi gaye kahani" is among one of his famous books, in which he portrayed his travelogues of different cities and letters. This article presents a thematic & stylistic Analysis of his book "Tukroon main kahi gaye kahani".

***Keywords**: Travelogue, Asad Muhammad Khan, thematic, stylistics, collage, technique, letters*

اسد محمد خان بھارتی ریاست بھوپال میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہندوستان کے بعد ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہوئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں سکونت رہی۔ بعد میں کراچی آ گئے۔ انھوں نے ملازمت کے دوران ہی اپنی تعلیم مکمل کی۔ ان کی ادبی تخلیقات میں شاعری، افسانے، خاکے، ڈرامے، گیت اور ملی نغمے شامل ہیں۔ ان کی اکیس کہانیوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے طویل ادبی سفر (جو ہنوز جاری ہے) کئی ادبی ایوارڈ حاصل کیے۔ ۲۰۰۹ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے پاکستان کے سب سے اعلیٰ سول ادبی ایوارڈ 'تمغہ امتیاز' سے نوازا گیا۔ علاوہ ازیں ۲۰۰۷ء میں عالمی فروغِ اُردو ایوارڈ دوحہ (قطر)، ۲۰۰۷ء ہی میں شیخ ایاز ایوارڈ برائے ادب اور ۲۰۰۴ء میں احمد ندیم قاسمی ایوارڈ برائے

• لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاور
• لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاور
• لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاو

فکشن سے بھی نوازا گیا۔ ان کی ایک کہانی 'ترلوچن' اولیول (برطانیہ) کے نصاب میں شامل رہی۔ ابھی زندہ ہے اور کراچی میں رہائش پذیر ہے۔(۱)

"رکے ہوئے ساون" کے نام سے اسد محمد خان کا شعری مجموعہ شائع ہوا ہے جبکہ افسانوں پر مشتمل کتابوں میں "کھڑکی بھر آسماں، برجِ خموشاں، غصے کی نئی فصل، تیسرے پہر کی کہانیاں، نربدا اور دوسری کہانیاں، اک ٹکڑا دھوپ کا" شامل ہے۔ ستمبر ۲۰۰۶ء میں اکیڈمی بازیافت کراچی سے اسد محمد خان کی ایک کتاب "جو کہانیاں لکھیں" شائع ہوئی۔ اس کتاب میں گزشتہ چار افسانوی مجموعوں سمیت ایک اور کتاب "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانیاں" شامل تھی۔ "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانیاں" ان کی تخلیقات کا پانچواں مجموعہ ہے جس میں کل سات سفرنامے اور خطوط شامل ہیں۔

القا پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۱۵ء میں اسی مجموعے کو "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" کے نام سے دوبارہ شائع کیا اور اس میں کچھ اور مضامین بھی شامل کیے گئے جن میں ""لا' کے بیان میں، الکازر، چھٹکی بی بی سکسینہ۔ تھوڑا فرانس اور اسپین، بارے کوٹھوں کا کچھ بیان ہو جائے، پوپیائی کا پہرے دار، نوری اور پیدرو۔ اور اساتذہ کی دو کہانیاں، تورے مالینوس اور بہت کچھ، اَیادرازا' ایاہ بالا اور ۲۰۰۸ء، اپنی بعض کہانیوں کے بارے میں" شامل ہیں۔

اس کتاب کا مرکزی خیال کتاب کے بیک فلیپ پر موجود ہے:

"کہانی شروع ہوتی ہے۔ مرکزی کردار، ایک آشیاں گم کردہ آدمی، لاموجود کے سامنے ہے۔ کہانی کے دوسرے ٹکڑے میں ایک گم کردہ آشیاں اس کے سامنے ہے۔ کہانی کا تیسرا ٹکڑا اُسے اپنے ہی جیسے آشیاں گم کردوں کے سامنے لاکھڑا کرتا ہے جن میں وہ بھی ہیں جو اُسی کے آشیاں کے رہنے والے تھے اور وہ بھی جو اور آسمانوں تلے اپنے آشیاں رکھتے تھے کہانی جاری ہے۔۔۔"(۲)

""لا" کے بیان میں" اسد محمد خان کا اپنے احساسات پر مبنی خط کی شکل میں ترتیب دیا گیا ایک کولاج ہے۔ کولاج درحقیقت فن مصوری کی ایک اصطلاح ہے جو بہت زیادہ پرانی نہیں۔ یہ مختلف لوگوں اور خطوط کے ملاپ سے بننے والی ایک ایسی تصویر ہے جس میں بہت سی تصویریں آپس میں گڈمڈ کر دی جاتی ہیں اور اپنی آخری صورت میں یہ ایک ایسے منظر میں ڈھل جاتی ہیں جو کچھ کچھ مولانا روم کی اس مصرعے کی شکل اختیار کر جاتا ہے کہ 'صورت از بے صورتی آید بروں"(۳)

اسد اللہ خان غالب اور قرۃ العین طاہرہ کے مصرعوں سے متعلق اپنی حسی تجربات بیان کرتا ہے اور پھر ان مصرعوں کو اپنے تجربے میں شامل کرتا ہے۔ وہ دونوں مصرعے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ع: نوائے طائران آشیاں گم کردہ آتی ہے(۴)

ع: بنشیں چو طوطی و دمبدم بشنو خروش نہنگ لا

غالب کے مصرعے کے بعد، اپنی حسیات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ میری حسیات کی ترتیب دیہات نے کی ہے۔

حسیات کی ترتیب میں ممد و معاون واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں منگو پیر روڈ پر حسرت موہانی کالونی میں ایک جھگی میں رہتا تھا۔ اپنی خاکہ کے ساتھ۔ وہ بارشوں کے برس تھے۔ سال ستاون کہ چھپن ہو گا۔ بارش سیدھی جھگی میں چلی آتی تھی اور کیونکہ چٹائی کی چھت کی نیچے بھیگنے میں کوئی مزہ نہیں تھا، اس لیے میں اپنے ہاتھ کی بنائی میز پر، اپنی کتابوں کو اچھی طرح ترپال ڈھک کے، خود بھیگتا اور گاتا ہوا، کالونی کے پیچھے والی marshy land میں نکل جاتا۔"(۵)

اس طرح اسد محمد خان اپنی ماضی کے بارے میں لڑکپن کے سنہرے دنوں کو یاد کرتا ہے اور خود کو آشیاں گم کردہ طائر کے روپ میں پاتے ہیں۔ انھوں نے لڑکپن میں ایک ہنس دیکھا تھا۔ دو دن تک چیختا رہا اور تیسرے دن مر گیا جو اپنے جوڑے کو یاد کر کر کے چیختا رہا اور پھر کہیں مر جاتا گیا لیکن اس نے اپنے دکھ سے سارے جنگل میں کہرام مچا دیا۔ وہ خود بھی بالکل اسی طرح کی آشیاں گمشدگی پچاس کی دہائی میں جھیل چکا تھا اور ہنس کی اس دکھ بھری آواز اور اڈیکے کو سمجھتا تھا۔(۶)

قاری ان کے افسانوں میں جدائی کے اس دکھ کو محسوس کرتا ہے۔ اسد محمد خان دو مرتبہ اپنی حسیات کے حوالے سے "لا" کے ادراک کے تجربے سے گزرا۔ پہلی بار پندرہ سولہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ قریباً پچاس باون برس پہلے جب وہ اسپین، پرتگال اور فرانس کے شہروں سے گزرتا ہوا واپس اپنے گھر آرہا تھا۔ ملاحظہ ہو:

"پچاس باون برس پہلے جنگل میں جو مجھے 'ناموجود' کی ایک جھلک دکھائی دی تھی، اے عزیز! وہ میں نے ۱۲ جون کی صبح پھر دیکھی۔ اس بار میں زیرِ زمین، شاید دو تین طبق نیچے، میترو کے ایک اسٹیشن پر تھا۔ وہاں جس کیفیت سے میں گزرا وہ اس panic کی تقریباً بازگشت تھی جو برسوں پہلے جنگل میں کسی بھی میٹیریل چیز کو رُوبرو نہ پا کر میں نے محسوس کیا تھا۔ یہ کوئی روحانی واردات نہیں تھی۔ ۔۔خالص حسّی تجربہ تھا۔"(۷)

اس طرح وہ اس حسی تجربے میں قاری کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتا ہے۔ اس وقت جب انسان اپنے ارد گرد کے ماحول سے بالکل بے نیاز، بے خبر، الگ تھلک اور اکیلا صرف اپنی ذات میں گم ہو جائے۔ اسی تجربے میں وقت گویا رُک جاتا ہے، تھم جاتا ہے اور انسان صرف اور صرف لاموجود کے خالص تجربے سے گزر کر ایک لمحے میں ہزاروں لمحے پا لیتا ہے۔ اس حسی تجربے میں 'لا' کی نفی میں، اپنا وجود کھویا، ذات کی کھوج کا سراغ لگایا۔ اس حسی احساس کو صرف تجربہ کرنے والا ہی محسوس کر سکتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل دوسرا مضمون 'الکازر' سپین کا سفر نامہ ہے جس میں وہ دوستوں کی معیت میں گزرے ہوئے چند لمحات قاری کے ساتھ شریک کرتا ہے۔

لکھتے ہیں:

"بیسویں صدی کے ایک اسپینی شاعر نے عجیب طرح کا کام کیا ہے۔ اس نے افسانوی فضا تیار کی ہے کہ جیسے الحمرا میں تین مختلف کردار ایک دوسرے کے روبرو ہوئے ہیں۔ ایک جمال پرست دانشمند (جو شاعر خود ہے) ایک بہت حسین عورت جو کہیں کی ملکہ ہو گی اور ایک فقیر نابینا۔ کبھی تو خیال ہوتا ہے کہ شاعر خود فقیر ہے اور وہ الف لیلوی عورت اس کا مقصود ہے کہ الحمرا میں ہوتے ہوئے وہ ہشیار ہر طرف سے آنکھ بند کیے بس اسی کا چہرہ تکے جاتا اور کہتا ہے: اے عورت! اسے خیرات دے۔ اس کم نصیب کی ناداری دیکھ کہ یہ الحمرا میں ہے اور نابینا ہے۔ (اسے خیرات دے، اسے بے نقاب ہو کے دیکھ)۔"(۸)

وہ پہلے قاری کو الحمرا کی مسحور کن فضا میں لے گیا ہے اور بتاتا ہے کہ جب تک میں نے الحمرا میں ابو عبد اللہ کا چیمبر نہیں دیکھا تھا، میں ان لائنوں کو محض چاہت اور مبالغہ سمجھتا رہا مگر جب دیکھا تو میرے سارے اندازے غلط نکلے۔ الغرض مصنف نے ایک محویت کے عالم میں الحمرا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اللہ اللہ، بلکہ اللہ اکبر! (ایسے موقعوں پر میں سخت مومن ہو جاتا ہوں)"۔(۹)

اس سفر نامے میں وہ فرنچ سائیکاٹرسٹ کا ذکر بھی انتہائی شگفتہ پیرائے میں کرتا ہے۔ اس سفر پر وہ اپنے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کے ساتھ گئے تھے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے سپین کے دو شہروں سیگوویا اور سلامانکا کا تذکرہ کیا ہے جو ان کے بقول دس نہیں تو پانچ علی گڑھوں کے برابر ہے۔

جہاں تک سفر نامے کی ہیئت کا تعلق ہے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس صنفِ نثر کے کوئی خاص ہیئت متعین نہیں۔ سفر نامہ کی ہیئت کے حوالے سے مرزا حامد بیگ اپنی کتاب "اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"خارج سے متعلق بیانیہ اصناف ادب میں سفر نامہ سرفہرست ہے لیکن شاید سفر نامہ وہ واحد نثری صنف اظہار ہے جس کی تکنیکی تعریف کا تعین تاحال ممکن نہیں ہو سکا۔ کچھ یہی سبب ہے کہ سفر نامہ کبھی روزنامچے کے رنگ میں لکھا گیا اور کبھی خطوط کی شکل میں۔ اس میں مکالمے کی شمولیت بھی ممکن ہے۔ اور اس میں خبر پہنچانے کا انداز بھی کھپ جاتا ہے۔"(۱۰)

اس کتاب میں شامل تمام سفر نامے خطوط کی ہیئت میں لکھے گئے ہیں اور ان میں مکالموں کا استعمال بھی موقع کی مناسبت سے بہترین انداز میں ملتا ہے۔ یہ خطوط انھوں نے اپنے دوست مبین مرزا کو لکھے ہیں۔

اس کے بعد 'چھٹکی بی بی سکسینہ -- تھوڑا فرانس اور اسپین' خطوط کی شکل میں اسد محمد خان کا لکھا گیا سفر نامہ ہے۔ یہ خطوط انھوں نے فرانس، پرتگال، پیرس اور اسپین سے اپنے دوست مبین مرزا کو لکھے۔ اس سفر کی روداد بے تکلف انداز میں اپنے دوست مبین مزا کو لکھتے ہیں۔ اس سفر نامہ میں ایک ہندوستانی دوشیزہ، نندتا (چھٹکی بی بی سکسینہ)، اپنے شوہر کے ساتھ ایئرپورٹ پر ٹکٹ لینے آئی ہوئی تھی۔ اس دوران مصنف سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اس آتش زیرِ پا لڑکی کے بارے میں لکھتا ہے:

"بلیو جینز کے ساتھ اسی کپڑے کی جیکٹ اور جوگرز پہنے وہ کبھی اپنا سفید فلوپی ہیٹ ہاتھ میں لے کے ریلوے گارڈز کی طرح زور زور سے ہلاتی، کبھی اسے اپنے سر پر مڑھ لیتی۔ میاں کو ہدایات دیتے ہوئے فلوپی اس کے ہاتھ میں آجاتا تھا جسے وہ stress کے لیے کبھی آتے جاتے اتل کی طرف ہوا میں hit کرتی، کبھی تازیانے کی طرح اپنے گھٹنے پر مارتی تھی، جیسے محرم کے جلوس میں خود پر کوڑے برسانے والے قلندر کرتے ہیں۔"(۱۱)

مصنف اس اٹھارہ انیس سالہ ہندوستانی لڑکی سے اپنا تعارف کرنے کے بعد گویا ہوتا ہے کہ میرا تعلق مالوہ بندیل کھنڈ سے ہے مگر اپنی پسند سے پاکستانی ہوں۔ کراچی میرا شہر ہے۔ اس وقت میں ڈرامہ سیریل کی ریکی کرنے آیا ہوں۔ نندتا سے اس مختصر ملاقات کے بعد وہ ایک سکھ جوان کو ایک ہوٹل کا پتہ بتاتا ہے، سے قاری کو متعارف کراتا ہے۔ اسی طرح دوسرے خط میں بھی وہ ایک سچے سیاح کی طرح اردگرد کے ماحول کا بغور مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے اردگرد موجود ہر چیز کو محسوس کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"میں کرتا یہ ہوں یہ قلبِ شہر میں جو بھی راستہ، محلہ، عمارت، بازار مجھے اچھا لگے، بہت leisurely اس کا ایک چکر لگاتا ہوں۔ پھر دوسرا اور تیسرا اور چوتھا۔ کسی نکڑ پر رک کے اس کی آوازیں، روشنی اور سائے، اس کی رفتار، اس کی مہک--- مطلب پورا واتاورن دیکھتا، سنتا، سونگھتا ہوں اور ہاتھ لگا کے چھوتا ہوں۔"(۱۲)

اسد محمد خان جب یورپ اور دوسرے ممالک کی سیر کرتا ہے تو اس کی ہر چیز میں وہ اپنے وطن کی خوشبو تلاش کرتے ہیں۔ ہر رنگ اور انداز میں وہ تقابل کرتا ہے اور اس کی ہر ادا میں وہ وطن کی جھلک دیکھ لیتا ہے۔

"کبھی دل ہی دل میں کہہ اٹھتا ہوں۔ اچھا، ندی کا یہ پل تو قصبے سیہور جیسا ہے۔ اوہو! ذرا دیکھنا کیا تھائی لینڈ کے کنچاپوری کا سا پھیلاوا نہیں لگتا؟ ندی میں پڑتا بھنور عین مین ویسا ہی ہے۔ وہی وحشی خوشبو کہ جیسے گیندے کے دس لاکھ پھول ایک ساتھ کھل اٹھے ہوں۔ آہ! بازار؟ یہ کوئی میلا لگا ہے؟ میلا چراغاں۔ شالیمار باغ، لاہور سن انیس سو پچاس۔ تو یہ سب کرتے ہوئے میں اس کوچے، محلے، بازار، ندی کو اپنے قریب لے آتا ہوں۔"(۱۳)

اسد محمد خان اپنے جگری دوست جون ایلیا کا ذکر انتہائی محبت و عقیدت سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے اپنی بہت سی تحریروں میں جون کا ذکر کیا ہے۔ شاید دو کہانیوں ('براوؤ! براوؤ' اور 'ڈزنگ') میں تو جیسے وہ مرکزی کردار بن گیا ہے۔ پھر اور جگہ بھی۔ کسی رپورتاژ کسی جائزے میں، جہاں جی کرتا ہے میں اسے ڈال دیتا ہوں۔ جون ایلیا کو۔"(۱۴)

اس کے بعد وہ ڈاؤنچی مونالیزا کو دیکھنے نکل پڑتا ہے۔ ایک چھوٹی سی معصوم بچی کا ذکر کرتے ہیں جو ان سے ریلوے اسٹیشن پر ملتی ہے۔ اس کے بعد فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے اپنی ماضی میں گم ہو جاتے ہیں اور ان دنوں کو یاد کرتا ہے جب وہ اسکول کے طالب علم تھے اور انگریزی ایڈوانس کو بطور مضمون منتخب کیا تھا۔ اس طرح سفر نامے کے ساتھ ساتھ مصنف قاری کو اپنے بچپن اور جوانی کے حالات و واقعات سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اس سفر نامے میں قاری بیک وقت سفر نامے، روداد، رپورتاژ، افسانے اور سوانح عمری کا لطف لے سکتا ہے۔ ان کا اسلوب بیان شگفتہ، سادہ اور رواں دواں ہے۔ طنز و مزاح سے اس سفر نامے کو مزید دلچسپ بنایا ہے۔ بات سے بات نکالنے کی تکنیک کو انھوں نے اس سفر نامے میں انتہائی مہارت سے استعمال کیا ہے۔ خطوط کی شکل میں ترتیب دیا گیا یہ سفر نامے بیک وقت کئی اصناف کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے:

یورپ کے بے باک اور آزاد ماحول پر ہمارے اکثر سفر نامہ نگاروں نے دل کھول کر لکھا ہے اور داد وصول کی ہے۔ اسد محمد خان زیادہ تر اس قسم کے مناظر کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی وہ مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں اس کی منظر کشی ضرور کرتے ہیں:

"اکیلے دوکیلے جورے (زیادہ تر pattern یہ بن رہا تھا کہ مقامی لڑکی اور ایفریکن لڑکا) جہاں تہاں سڑک پر چلتے یا دیوار سے ٹیک لگائے یا کونے میں کھڑے، ایک دوسرے میں مگن، انہماک کے ساتھ ماؤتھ ٹو ماؤتھ شاید ڈوبے ہوؤں کے rescue operation میں مصروف تھے۔ ان کی مستعدی دیکھنے لائق تھی، جیسے کسی برکت والی ساعت میں کارِ ثواب میں لگے ہوں۔

سبحان اللہ! ہدایت کار بولے، 'کیا استغراق ہے!' پھر پوچھنے لگے 'ہاں برادر!؟ استغراق ہی کہا جائے گانا؟"(۱۵)

اس مجموعے میں شامل خط 'بارے کوٹھوں کا کچھ بیان ہو جائے' میں اسد محمد خان نے اپنے دوست کو کوٹھوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ کہتا ہے، میرے دوست نے مجھ سے کہا، کوٹھوں میں بارے میں کچھ لکھوں، جواب دیا کہ اس سلسلے میں، میں بالکل اناڑی ہوں۔

خیر بہر حال، وہ جریدے کے مدیر کے اصرار پر دس بیس قسطوں پر مشتمل طوائف سیریز لکھنا شروع کرتے ہیں مگر مدیر کو یہی کہانیاں پسند نہیں آتیں اور وہ اسد محمد خان سے کہتے ہیں کہ ان کہانیوں میں نہ تو سنسنی خیزی ہے اور نہ کوئی قتل وغیرہ۔ مدیر مزید بتاتے ہیں:

"یہ (طوائفیں) تو بڑی چھنالیں ہوتی ہیں اور حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں آپ کہ دلالوں کو اتنا منافق اور بھیانک دکھا رہے ہیں۔ دیکھیے نا، برائی کی اصل جڑ تو یہی فاحشائیں ہیں۔"(۱۶)

اس کے بعد وہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ کب اور کہاں کہاں تلاشِ روزگار کے سلسلے میں گھومتا، پھرتا رہا اور کہاں کہاں وہ مختلف جگہوں پر ملازمت کرتا رہا یعنی اسد محمد خان کراچی کی بندرگاہ پر کام کرتا رہا۔ ٹریول ایجنسی اور ریلوے میں نوکری کرتا رہا۔ کچھ دنوں کے لیے کلرک، پبلشر، کمرشل آرٹسٹ، انگریزی کا استاد یا ریڈیو نیوز ریڈر بھی رہا۔ اتنی مصروفیات کے باوجود بھی انھوں نے لکھنا جاری رکھا۔ وہ کمرشل لکھاری بن جاتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے گیت لکھتا ہے۔ فلموں کے لیے مکالمے لکھتا ہے اور نظیر اکبر آبادی کی نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ٹیوشن بھی پڑھاتا رہا۔

اس سفر نامہ میں وہ ایک کردار بشارت بخاری کا ذکر کرتے ہیں جسے اسپین کے لوگ بیش بوجاری کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ وہ ایئر فورس میں جنرل ڈیوٹی پائلٹ تھے۔ اس کردار کے بارے میں وہ قاری کو دلچسپ معلومات فراہم کرتے ہیں۔ کافی خوش مزاج، دوست دار، مہمان نواز اور قابل آدمی تھا اور اپنی عمر سے بیس سال کم عمر لگ رہا تھا۔

سفر نامہ 'پومپیائی کا پہرے دار' میں اسد محمد خان اٹلی کے شہر پومپیائی کا ذکر کرتے ہیں جہاں چوبیس اگست اُناسی عیسوی کو انتہائی خوفناک زلزلہ آیا تھا جس نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کوہ پیکر گُکر متا چھتری کو بیان کرتے ہوئے۔۔ کہ جو نیپلز کے قریب کے قصبے ہر کلانی یم اور وہاں سے سات میل دور بسے مشہور شہر پومپیائی اور اس کے مضاف میں سن اناسی عیسوی میں دیکھی گئی تھی۔۔۔ آج میں اس نیوکلیائی گکر متا چھتری کو یاد کرتا ہوں کہ جو آدمی پر آدمی کی لائی ہوئی اب تک کی سب سے بڑی اور پہلی نیوکلیائی ابتلا ہے۔ جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آخری بھی ہو گی۔"(۱۷)

اسد محمد خان پومپیائی کے عبرتناک حادثے کو چشمِ تصور میں زندہ کر دیتے ہیں اور یہاں کا ایک پہرہ دار، جو پہرہ دیتے ہوئے اپنا فرضِ منصبی انجام دے رہا تھا، اذیت ناک موت کا شکار ہوا۔

پومپیائی اور اس کے پہرے دار کا ذکر کرتے ہوئے وہ پھر اپنی ماضی کی حسین یادوں میں کھو جاتا ہے۔ جہاں وہ اسکول میں پڑھتا تھا اور اس کے والد بھوپال کے صفِ اول کا آرٹ ماسٹر تھا۔ اسد محمد خان نے فنِ مصوری سے آگہی کا ذکر کرتے اور اپنے والد کی مدد سے وہ کئی ایک پینٹنگز سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

وہ لکھتا ہے کہ ہم باپ بیٹا پینٹنگز کو پڑھنے اور ان کو سمجھنے کا کھیل خوب کھیلتے تھے۔ ابا کتنے ہی شاہکار گھر لے آئے اور بلا تامل انھیں سامنے رکھ کر سمجھتے اور سمجھاتے تھے۔ جبکہ اسد محمد خان کے دادا ان تصویروں کو دیکھ کر خفا ہوتے کہ میاں! انبیاء علیہم السلام کے نام کی شبیہیں اور بے لباس مرد و عورتوں کے فوٹو گراف تم لوگ گھر اٹھالاتے ہو۔

الغرض اس سفر نامہ میں وہ اپنے فکشن کے ایک فرضی کردار عشرت حسین زیدی کا ذکر کرتا ہے جو کسی کی اندھی گولی کا نشانہ بنتا ہے۔ وہ بے چارہ اپنی بیٹی کی سسرال کے لیے مٹھائی خریدنے کے لیے بس میں سوار ہوتا ہے اور اندھی گولی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر کلانی یم کے قصبے کے بد قسمت لوگوں کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتا ہے گویا وہ خود اس جگہ موجود ہو اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ یہاں ان کا انداز "نظر نامہ" کے مصنف محمود نظامی کی طرح محسوس ہوتا ہے جو اہرامِ مصر کو دیکھ کر چشمِ تصور میں اس پورے منظر کو زندہ کرتا ہے۔

اس سفر نامہ میں دو کرداروں 'نوری' اور 'پیدرو' کا ذکر کرتا ہے۔ یہ طالب علم کسی ہوٹل میں پارٹ ٹائم جاب کرتے ہیں اور تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ پیدرو اپنی فیانسی نوری سے پیار کرتا ہے اور شادی کے لیے پیسے جمع کرتا ہے۔

اسد محمد خان اس سفر نامے میں اپنی ان تحریروں کا ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے مختلف زبانوں سے ترجمہ کر کے اردو کے قالب میں ڈھال دیے تھے۔ ان میں وہ ایک امریکی مصنف Alex Haley کے ناول "Roots" کا ذکر کرتا ہے جو برِاعظم شمالی امریکا سے پکڑ کر لانے والے افریقیوں کی مصائب کو بیان کرتے ہیں مگر مصروفیت کی وجہ سے وہ اس ناول کا ترجمہ نہ کر سکے اور کئی سال بعد ایک محترمہ نے اس کا ترجمہ کیا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس کے بعد وہ اپنی دو ترجمہ شدہ کہانیوں یعنی بورخیس کی کہانی "The Handwriting of God" جسے انھوں نے "دستِ خداوند کی تحریر" کے نام سے ترجمہ کیا ہے، جو ان کے افسانوی مجموعہ "برجِ خموشاں" میں شامل ہے۔ حوان رلفو کی "Luvina" اور مارک ٹوئین کی "A War Prayer" "دعائے جنگ" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ ان ترجموں سے متعلق ان کا بیان ہے: "دستِ خداوند کی تحریر" پہلی دفعہ ادبی جریدے 'آج' میں شائع ہوئی۔ "لووینا" پہلی مرتبہ ادبی جریدے 'آج' میں شائع ہوا۔ "دعائے جنگ" پہلی مرتبہ ادبی جریدے 'دنیازاد' میں شائع ہوئی اور اہلِ نظر سے داد وصول کی۔

اسد محمد خان اپنی کتاب "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" کے بارے میں خود لکھتے ہیں: اس کا ڈھب کچھ اس طور کا بنتا جا رہا ہے کہ میں بطور راوی یہ کہانی کہیں سے بھی سنانا شروع کر دیتا ہوں۔

اسی طرح وہ اس سفر نامہ میں اسپین کے دارالحکومت مادرد، میں سگوریا، سلامانکا، اندلس کے شہروں مالقہ، غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، پُرتگال کے شہر لزبن کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہاں موجود دلچسپ کرداروں کو قاری سے متعارف کراتا ہے۔ یہاں وہ اپنے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر دوستوں کے ساتھ ایک تاریخی ڈراما کی لوکیشن دیکھنے کے لیے آیا تھا۔ سفر نامہ کے آخر میں کچھ خطوط شامل کیے گئے ہیں جو اسد محمد خان نے اپنے دوستوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں سید محمود ہاشمی، انور خان، فیروزہ جعفری، انور سین رائے، ناصر میاں اور مبین مرزا وغیرہ شامل ہیں۔ ان خطوط میں انھوں نے انتہائی خلوص و محبت سے اپنی ماضی کو یاد کرتا ہے۔ بقول اسد محمد خان:

"مجھے تو اپنی یادوں کی بازیافت سے مزہ آرہا ہے۔"(۱۸)

اسد محمد خان نے اپنے پیاروں، گزرے ہوئے دوستوں، رشتہ داروں کا ذکر انتہائی محبت و عقیدت سے کیا ہے۔ ان کا ہر لفظ، ہر خیال، ماضی سے جڑا ہوا ہے اور وہ ایک محویت کے عالم میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اپنے بھتیجے ناصر کمال کو کراچی سے بھیجے گئے ایک ای میل مورخہ ۹ ستمبر ۲۰۰۴ء میں وہ اپنے پیارے دوست مشتاق احمد یوسفی اور افتخار عارف کے بارے میں انتہائی محبت اور عقیدت سے لکھتے ہیں کہ میں مشتاق احمد یوسفی سے ان کے لٹریری کام کی وجہ سے بھی محبت کرتا رہوں گا اور ان کی بھلمنسی اور احسان کو بھی Tribute پیش کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد ایک اور ای میل میں اس نے 'یاترا اندی'، جو اسد محمد خان کے کئی افسانوں میں موجود ہے، کا ذکر کرتے ہیں۔

یہاں اسد محمد خان اپنے ایک مجوزہ ناول "مہامائی کا باغ" کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور پھر اس ناول کی ابتدائی چند سطریں اس کتاب کا حصہ ہیں۔ 'خانوں' اس ناول کے مرکزی کردار کا نام 'خانوں' ہے۔

اسد محمد خان اپنی یادداشتوں، سفرناموں، خطوں اور تبصروں پر مشتمل اپنی کتاب "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" کے بارے میں اپنے دوست مبین مرزا کو لکھتا ہے:

> "کچھ ڈھب یا (format) سا بنتا جارہا ہے کہ "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" کو تمھارے نام لکھے گئے خط کی طرح شروع کرتا ہوں اور اس خط میں دنیا جہاں کی باتیں لکھتا چلا جاتا ہوں: اپنے سفروں کے احوال، کسی کتاب، کسی دوست کا ذکرِ خیر۔ یا کچھ ایسا کہ اس پر essay کا گمان ہونے لگے۔ یا کوئی کہانی جو اپنے سنائے جانے پر اصرار کرتی ہو۔ کسی ممدوح، کسی بڑے کہانی کار کا ترجمہ۔ اپنی۔۔ یا کسی کی بھی۔۔ کوئی نظم، گیت۔۔ کچھ بھی۔"(۱۹)

اس کے بعد اسد محمد خان، اس حصے یعنی 'تورے مالینوس' میں مبین مرزا کو کچھ خط لکھتا ہے جس میں وہ اپنے مجوزہ ناول "مہامائی کا ہریا" کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ پھر اپنے جگری دوست جون ایلیا کے حوالے سے کچھ مزید باتیں بتاتا ہے۔ جون ایلیا کے تذکرے کے بعد انھوں نے اپنی چند علامتی اور تجریدی افسانوں کے موضوعات کی وضاحت بھی کی ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے اسلوب کا تعلق ہے تو اسد محمد خان نے سادہ اور سلیس انداز بیان کے ساتھ ساتھ افسانوی اسلوب بیان سے بھی کام لے کر کتاب کو دلچسپ بنایا ہے، جس کی وجہ سے قاری کی دلچسپی کتاب میں برقرار رہتی ہے اور قاری چاہتا ہے کہ ان سفرناموں اور خطوط کا مطالعہ ایک ہی نشست میں مکمل کرے۔ اپنی تخلیقی زندگی کے بعض گوشوں کو بھی قاری کے سامنے مصنف نے خوبصورت اور دلنشین انداز میں پیش کیا ہے۔

اسلوب میں ایک ادبی شان برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے اشعار اور مصرعوں کا بھی استعمال کیا ہے جیسا کہ کتاب کے بالکل آغاز میں غالب کا مصرعہ: نوائے طائران آشیاں گم کردہ آتی ہے، درج کیا ہے۔ اسی طرح قرۃ العین طاہرہ کے فارسی شعر سے بھی اپنے اسلوب کو مزین کیا ہے۔

اسد محمد خان نے اپنے اسلوبِ بیان میں موزوں اور مناسب انگریزی الفاظ کا استعمال بکثرت کیا ہے۔ ان کے اسلوب کی یہی خوبی انگریزی زبان پر ان کی دسترس کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے علم بیان کے وسائل یعنی تشبیہات، استعارات، کنایات اور مجاز مرسل کے برموقع وبرمحل استعمال سے قاری کے لیے دلچسپ بنایا ہے۔ الغرض "ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی" موضوع اور اسلوب کے حوالے سے اسد محمد خان کی ایک بہترین کتاب ہے جس کا مرکزی کردار ایک آشیاں گم کردہ انسان ہے جو تین مراحل سے گزرتا ہے۔ پہلے مرحلے میں وہ لاموجود کے سامنے ہے، دوسرے مرحلے میں گم کردہ آشیاں اس کے سامنے ہے اور تیسرا مرحلہ اسے اپنے ہی جیسے آشیاں گم کردوں کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ en.wikipedia.org/wiki/Asad_Muhammad_Khan

۲۔ اسد محمد خان، ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی، القا پبلی کیشنز۔لاہور، ۲۰۱۵ء، بیک فلیپ

۳۔ express.pk/story/1630933/628/

۴۔ اسد محمد خان، ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی، القا پبلی کیشنز۔لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً، ص۳

۷۔ ایضاً، ص۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۲

۹۔ ایضاً

۱۰۔ مرزا حامد بیگ، اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ، ص۷

۱۱۔ اسد محمد خان، ٹکڑوں میں کہی گئی کہانی، القا پبلی کیشنز۔لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰

۱۲۔ ایضاً، ص۲۴

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً، ص۲۶

۱۵۔ ایضاً، ص۳۹

۱۶۔ ایضاً، ص۴۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۴

۱۸۔ ایضاً، ص۱۱۵

۱۹۔ ایضاً، ص۱۲۶

References:

1. Asad_Muhammad_Khan en.wikipedia.org/wiki
2. Asad Muammad Khan, Tukroon main kahi gaye kahani, ilqa publications, Lahore, 2015, back flap
3. express.pk/story/1630933/628/

4. Asad Muammad Khan, Tukroon main kahi gaye kahani, ilqa publications, Lahore, 2015, p.2
5. Ibid
6. ibid, p.3
7. ibid, p.7
8. ibid, p.12
9. Ibid
10. Mirza Hamid Baig, Urdu Safarnamy ki muktasar tarikh, p.7
11. Asad Muammad Khan, Tukroon main kahi gaye kahani, ilqa publications, Lahore, 2015, p.20
12. ibid, p.24
13. Ibid
14. ibid, p.26
15. ibid, p.39
16. ibid, p.45
17. ibid, p.54
18. ibid, p.115
19. ibid, p.126